لامذہبی دور کا علمی و تاریخی پس منظر

جناب محمد تقی صاحب صدر دارالعلوم معینیہ و صدر دینی تعلیمی کانفرنس راجستان

(۵)

مقالہ روسو کے اقتباسات "روح اور جسم کی ضروریات جداگانہ ہیں جسمانی ضروریات سوسائٹی کی بنیاد ہیں اور روحانی حاجات اس کا زیور ہیں۔ ص۱۴

معاشرتِ جدیدہ میں مصنوعی محاسن اخلاق کی نمائش ہے اور اصلی مکارم اخلاق کا فقدان ہے۔ ص۱۵

اس سے پہلے کہ تصنع نے ہمارے اطوار کو اپنے سانچے میں ڈھالا اور ہمارے جذبات کو بناوٹی بولی سکھائی، ہمارے اخلاق اگرچہ ناہموار تھے لیکن فطری اور سچے تھے۔ ص۱۶

بہت سے معائب ہیں جن کو محاسن اخلاق کا مرتبہ دیا جاتا ہے اور جن کو اختیار کرنا یا کم از کم ظاہرداری کے طور پر برتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے ص۱۸

جس قدر علم و فن میں ترقی ہوئی اسی قدر اخلاق بگڑتے اور گندے ہوتے گئے جب جب علم و ادب کی روشنی انسانی افق پر نمودار ہوئی ہے نیکی پرواز کر گئی ہے اور یہ تماشہ بلا استثنار ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے ص۱۹

علوم کا وجود جس قدر اپنے اغراض کے لحاظ سے عبث ثابت ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ اپنے نتائج کے لحاظ سے خطرناک ہے ص۳۲

علوم و فنون کی ترقی اگر ایک طرف فوجی احساسات کی جڑ کاٹ رہی ہے تو دوسری طرف محاسن اخلاق کے حق میں کانٹے بو رہی ہے۔ جدھر دیکھو بڑے بڑے دارالعلوم نظر آتے ہیں جہاں طلبا کو ہر فن میں طاق بنایا جاتا ہے مگر نہیں بتایا جاتا تو یہ کہ ان کے فرائض کیا ہیں، وہ اپنی مادری زبان سے تو کورے

رہتے ہیں مگر مردہ زبانیں جو دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں بولی جاتی ہیں فرفر بول سکتے ہیں۔ وہ ایسے شعر بھی کہتے ہیں جن کا مطلب خود بھی نہیں سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے لیکن ان کو ایک ایسا فن آتا ہے جن کی مدد سے وہ ایسے مغالطات تصنیف کر سکتے ہیں کہ دوسرا بھی چوندھیا جائے اور صحیح و غلط میں امتیاز نہ کر سکے۔ ص۱۴

انسان سے متعلق آج یہ سوال نہیں ہوتا ہے کہ وہ ایماندار ہے یا نہیں۔ بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ چالاک ہے یا نہیں ص۴۲

الغرض علوم و فنون کی ترقی نے ہماری حقیقی مسرت میں کچھ اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ ہمارے اخلاق کو خراب کر دیا ہے۔ اور ہمارے مذاقِ سلیم کو بگاڑ دیا ہے۔ ص۴۸

ایک موقع پر نیکی کے بارے میں کہتا ہے۔

نیکی کے بارے میں روسو کے تاثرات

نیکی روحانی توانائی کا نام ہے اور ہر طرح کی آرائش و زیبائش اس کی اصلیت سے دور ہے۔ ایماندار ایک پہلوان ہے جو کشتی لڑتے وقت برہنگی کو پسند کرتا ہے اور قیمتی لباس جس کا مقصد کسی جسمانی عیب کو چھپانا ہوتا ہے۔ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ آزادانہ داؤ پیچ کرنے میں حارج ہوتا ہے ص۱۶

ایک جگہ نیکی کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

اے نیکی! تو جو سادہ لوحوں کے واسطے اعلیٰ ترین علم ہے کیا تجھ سے واقف ہونے کے لئے بھی کسی ریاضت و مشقت کی ضرورت ہے؟ کیا تیرے سادہ اصول ہر قلب پر کندہ نہیں ہیں؟ تیرے قوانین جاننے کے لئے سوائے اس کے اور کیا درکار ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں اور جذبات کو خاموش کر کے ضمیر کی آواز کان دے کر سنیں، یہ وہ سچا فلسفہ ہے جو ہم کو قناعت کی تعلیم دیتا ہے۔ ص۵۱

روسو کی تنقیدات انتہا پسندانہ اور تعریط کی حامل تھیں

"روسو" نے ایک اور انعامی مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا "انسانوں کے درمیان عدم مساوات کا ماخذ" اس میں اس نے تہذیب و تمدن کی بہت مذمت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حالتِ فطرت سے نکل کر اجتماعی اور

تمدنی زندگی اختیار کرنے سے انسان کی حالت خراب ہوگئی ہے لیکن اس مضمون پر وہ انعام حاصل نہ کر سکا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ" روسو" کی تنقیدات جاندار اور عمیق تفکر کی حامل ہیں لیکن وہ صرف سلبی پہلو کو پیش کرتی ہیں، ایجابی پہلو زیادہ واضح نہیں ہے۔

جن لوگوں نے اس کے افکار و خیالات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہ کر سکیں گے کہ وہ انتہا پسندانہ اور افراط کے مقابلہ میں تفریط کے حامل ہیں[۵۱]

تنقیدات کے بارے میں والٹیر کے تاثرات

چنانچہ والٹیر VOLTAIRE (پیدائش ۱۶۹۴ء وفات ۱۷۷۸ء) کے پاس جب اُس نے اپنا مقالہ" عدم مساوات کا ماخذ بھیجا تو اُس نے جواب دیا

" مجھے نوع انسان کے خلاف آپ کی نئی کتاب ملی ہیں اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ...... ہمیں بہائم کی صورت میں بدلنے کی کوشش میں کسی نے کبھی اس قدر ذہانت سے کام نہیں لیا ہے۔ آپ کی کتاب پڑھنے کے بعد چاروں ہاتھوں کے بل چلنے کی آرزو ہونے لگتی ہے مگر تقریباً ساٹھ برس ہو چکے ہیں کہ میں یہ عادت چھوڑ چکا ہوں اس لئے بدقسمتی سے اب میرے لئے اس کا اختیار کرنا ناممکن ہے"۔[۵۲]

والٹیر دراصل عقلیت کا دلدادہ تھا۔ ان دونوں کے نظریات میں عقل و جبلت کا تضاد تقریباً ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تمدن کی مذمت محض لڑکپن کی بیہودگی کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ وہ" روسو" کو لکھتا ہے کہ :۔

انسان فطرتاً درندہ ہے اور متمدن معاشرہ کے معنیٰ اس حیوان کے پابہ زنجیر کرنے اس کی درندگی کو کم کرنے اور معاشری نظام کے ذریعہ سے اس کی عقل اور خوشیوں کی ترقی کے ہیں۔[۵۳]

---

۵۱ ملاحظہ ہو ترجمہ حکایت فلسفہ از ول ڈوران پی ایچ ڈی ۵۲ حکایت فلسفہ ص ۳۱۵

۵۳ حوالہ بالا ص ۳۱۶

جبکہ "روسو" اپنی کتاب معاہدہ عمرانی ان الفاظ سے شروع کرتا ہے کہ

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے۔ مگر جدھر دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے"[1]

والٹیر کے تاثرات مبالغہ آمیز ہیں

"والٹیر" کی مذکورہ تنقید نہ صرف یہ کہ مبالغہ آمیز ہے بلکہ علم و عقل کے زعم میں دوسرے کی خدمات کو غیر وقیع بنانے کے مرادف ہے۔

"روسو" کبھی یہ نہیں کہتا ہے کہ انسان دورِ وحشت کی طرف واپس ہو جائے۔ وہ اپنے بعض خطوط میں ایک حد تک تعلیم و تمدن کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوا پایا جاتا ہے[2]

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ موجودہ تعلیم و تہذیب کی اصلاح کے لئے واضح نقوش و حدود وہ نہیں متعین کر سکا ہے۔ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ محض اجمالی خاکہ ہے جو عمل کی دنیا سے بڑی حد تک دور ہے

روسو کے افکار کی تقسیم اور مذہبی افکار کی تفصیل

روسو کے افکار و خیالات بحیثیت مجموعی تین عنوان کے تحت پائے جاتے ہیں (۱) تعلیم (۲) اجتماع اور (۳) مذہب۔ پہلے دو میرے موضوع بحث سے خارج ہیں۔ اور مذہب کے بارے میں کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

اس کے مذہبی خیالات میں کوئی خاص قسم کی نئی بات نہیں پائی جاتی ہے اوپر بیان کئے ہوئے مذہب فطرت ہی کا وہ قائل ہے۔ لیکن گہری سوچ بچار کی بنا پر اس کی تشریح و توضیح یقیناً زوردار انداز میں کرتا ہے۔ مثلاً وہ ایک خط میں لکھتا ہے کہ

"ایمان کا سرچشمہ باطنی ہے۔ وہ خدا پر اس لئے ایمان نہیں لاتا کہ دنیا میں ہر شی اچھی ہے بلکہ ہر شی میں اس کو کچھ نہ کچھ خوبی اس لئے نظر آتی ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے"....

مذہب فطرت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے:

"خارج سے مذہبی خیالات بچہ کے دل میں نہ ڈالنے چاہئیں اس کے قلب کو اپنی حاجات کے ماتحت اندر سے اپنا مذہب پیدا کرنا چاہیئے"

اس کا خیال ہے کہ اگر لوگ اپنے قلوب کی ہدایات قبول کرتے تو مذہب فطرت کے علاوہ

---

[1] معاہدہ عمرانی ص ۳ [2] تاریخ فلسفہ جدیدہ جلد اول ص ۵۷۰

اور کوئی دوسرا مذہب نہ ہوتا [۱]

اس کے افکار میں چونکہ احساس وجذبات، اور ضمیر ووجدان سے براہ راست سابقہ ہے اس بنا پر مذہب وحی کی مزاحمت زیادہ نمایاں نہیں نظر آتی ہے اس کے علاوہ پیرس کے اسقف اعظم کو جو خط لکھتا ہے اس سے بھی مغالطہ ہوتا ہے خط یہ ہے -

جناب من میں عیسائی ہوں اور دل سے انجیل کی تعلیم کو مانتا ہوں میں اپنی عیسائیت میں پادریوں کا نہیں بلکہ یسوع مسیح کا شاگرد ہوں"۔ [۲]

لیکن نہ مذہب فطرت کے ابہام کو دور کرنے میں وہ کامیاب ہوا اور نہ ہی عیسائیت کے معمہ کو وہ حل کر سکا ۔	نہ وہ فطرت کے ابہام کو دور کر سکا اور نہ عیسائیت کا معمہ حل کر سکا

فطرت بیشک رہنمائی کر سکتی ہے لیکن وراثت وغیرہ داخلی مؤثرات سے تحفظ کی کیا صورت ہے ؟ جو تقریباً فطرت کے ساتھ ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں ۔

انسان آبادی میں پرورش پاتے ہوئے ناممکن ہے کہ شعوری وغیر شعوری طور پر گرد وپیش کے ماحول سے متاثر نہ ہو خود قلب بھی اثرات سے اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے ۔ ایسی حالت میں جب تک قلب کی "صیقل" کے لئے واضح پروگرام نہ ہو اس وقت تک نہ قلب کی ہدایات بے غل وغش رہ سکتی ہیں اور نہ ہی وہ فطرت پر مبنی قرار پا سکتی ہیں ۔

اس کے علاوہ زندگی میں نظم وضبط پیدا کرنے والے اعمال وافعال کے بغیر جبلت حیوانی فطرت انسانی کے کیسے اور کب تک مطیع وفرمانبردار رہ سکتی ہے ؟ اور جب خلاف فطرت چیزیں اخلاقی وروحانی "حاسہ" کو کند بنا دیں گی تو کونسی تدابیر ہونگی کہ جن کے ذریعہ "صیقل" کا کام لیا جاتا رہے گا ۔؟

"روسو" کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ وہ تصوف جسمیں اعتقاد خالص اور اعمال صالحہ کی مشق کے بغیر صرف خدا کی طرف رُخ کرنے کو عرفان ومعرفت سمجھ لیا جائے حقیقت کی دنیا میں "سفسطہ" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے ۔ اور جو سکون ویکسوئی محض جذبات کو خاموش کرنے سے حاصل ہو وہ عرفان و

[۱] تاریخ فلسفہ جدید ص۲۸۴ [۲] حوالۂ بالا

معرفت کا کوئی مقام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی کیفیت ہے جو وقتی طور پر خواہشات و تمناؤں کا طوفان تھم جانے سے پیدا ہو گئی ہے۔

فطرت کی حفاظت و پھل پھول لانے کے لئے چند چیزوں کی ضرورت

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ "فطرت" کی حیثیت تخم جیسی سمجھنا چاہیئے اس میں بالقوہ نشو و نمائی اور برگ و باری کی استعداد ودیعت کی ہوئی ہے۔ کسی بھی "تخم" کے پھل پھول والے درخت بننے کے لئے عادۃً بنیادی حیثیت سے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے (۱) زمین کی صفائی (۲) کھاد اور (۳) آبپاشی، آفات سماوی و غیر سماوی سے تحفظ کا سروسامان، اسی طرح کیاری اور "باڑھ" وغیرہ کے ذریعہ انتظام یہ سب اُن تین کے ماسوا بھی ایک حد تک ضروری ہیں۔

اس قاعدہ کے مطابق پہلے زمین کو شرک و نفاق (خس و خاشاک) سے پاک و صاف کیا جائے پھر ایمان و یقین کی کھاد ڈالی جائے اور اس کے بعد عبادات کے ذریعہ آبپاشی کا سروسامان ہوتا رہے۔ ان کے علاوہ حدود و قیود اور اوامر و نواہی منکر و مشتبہات وغیرہ بھی ہیں جو قدم قدم پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور بسا اوقات زندگی کی گاڑی ان کے بغیر چل نہیں سکتی ہے۔

جب تک فطرت کی حفاظت اور برگ و باری کا انتظام اس فطری انداز سے نہ ہو اس کے لائے ہوئے پھل پھول نہ قابلیت و افادیت کی ضمانت پیش کر سکتے ہیں اور نہ ہی معاشرہ کی تعمیر کے لئے کوئی مستحکم و مضبوط بنیاد عطا کر سکتے ہیں۔

فطرت کے لئے مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کئے بغیر چارہ نہیں ہے

اس انتظام میں تنہا عقل بے بس ہے کہ زندگی کے اساسی امور میں اس کی پوزیشن پہلے واضح ہو چکی ہے۔ فطرت خود دوسرے موثرات کے ہوتے ہوئے انتظام کی ذمہ داری نہیں لے سکتی ہے۔ لامحالہ مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کئے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ جس کا اصل منصب انسان کو اس کے اصلی رنگ و روپ میں پیش کرنا اور اس کی تخلیقی قوتوں کو فطری صداقتوں کی شاہراہ دکھانا ہے نیز فکر و عمل کے صحیح حدود متعین کر کے نظم و ضبط اور صلاحیتوں کے استعمال کرنے کے اصول سمجھانا ہے تاکہ انسان دنیا میں اپنے مقام اور

کام کی سمتوں کا تعین کرکے اپنے فرائض کی ٹھیک بجاآوری کر سکے۔

مفکرین کی تاریخ شاہد ہے کہ جنہوں نے اس روشنی سے ہٹ کر انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے کے لئے کوئی نسخہ تجویز کر سکے بلکہ خود عقل کے غلام بن گئے ہیں اور اگر عقل کی مخالفت کی ہے تو احساسات و جذبات کے بندہ بن کر رہ گئے ہیں جیسا کہ خود روسو کی اخلاقی زندگی جذب و مستی کی نذر ہوگئی اور کردار کے لحاظ سے زندگی میں نہایت بدنما دھبے چھوڑ گیا۔

کانٹ کی عظیم شخصیت اور خیالات کا سرسری جائزہ

دوسری عظیم شخصیت الیمنویل کانٹ IMMANUEL KANT پیدائش ۱۷۲۴ء وفات ۱۸۰۴ء ہے جس کے نظریات و افکار نے زندگی اور فلسفہ کو ایک نئے رُخ پر ڈھالنے کی کوشش کی۔

دورِ جدید کا شاید ہی کوئی فلسفی ہو کہ جس کے نظامِ فکر کو اس عرصہ تک غلبہ حاصل رہا جس عرصہ تک کانٹ کے فلسفہ کو تھا۔ یہ اس وقت نمودار ہوا جبکہ ایک طرف عقل کے پُرجوش حامیوں کا مستحکم اعتقاد تھا کہ حکمت و منطق تمام مسائل کو حل کر سکتی ہے اور انسان کو مکمل بننے کے لئے غیر محدود قابلیت کی مثال پیش کر سکتی ہے اور دوسری طرف عقلیت مطلق الحاد اور مادیت کی شکل میں اپنے کو پیش کر رہی تھی۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مذہب کے باقی ماندہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑاوں کے باقی رہنے کے لئے کوئی سہارا نہ تھا۔ مذہب کے پرانے اعتقادات مٹتے جا رہے تھے اور کلیسا اپنی دلچسپ تفصیلات اور بدنما دھبوں کے ساتھ بیٹھتا جا رہا تھا۔ ادھر مذہبِ فطرت کے مبلغین ہولباخ HOLBACH وغیرہ نے اس مذہب کی اشاعت کے ذریعہ الحاد کو مذہبی لوگوں کے دیوان خانہ تک پہونچا دیا تھا۔

اس صورتِ حال کے باوجود نہ عقل اب تک نفس و قلب کی تسکین کا سامان فراہم کر سکی تھی اور نہ ہی ترکِ مذہب کی وجہ سے زندگی کے خالی خانہ پُر کرنے کے لئے مذہبی یقین و اُمید کا بدل پیش کر سکی تھی جس کی بنا پر یورپ کے لاکھوں کلیسا عقل کے معاندانہ و آزادانہ فیصلہ کے سامنے اب بھی سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ تھے اگرچہ ان میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔

مذہب عقل کی بے رحم عدالت کے سامنے پیش تھا چونکہ مذہب کی "قہرمانیت" کا دور گذر چکا تھا اور جس طرح پہلے مذہب کے آگے عقل بے بس تھی اب عقل کی حکومت نے مذہب کو بے بس بنا دیا تھا۔ نیز مذہب کی "توانائی" ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ توقع بے سود تھی کہ اُس کے فیصلے عقل کے آزادانہ فیصلوں کا مقابلہ کرسکیں گے لامحالہ یہی ایک صورت باقی تھی کہ عقل کا جائزہ لیا جائے کہ اس کی حیثیت دیگر انسانی اعضاء کی طرح ایک عضو کی ہے جس کے وظائف اور قوتوں کی حد متعین ہے؟ یا اس کی طاقت غیر محدود اور اس کے وظائف لاتعداد ہیں؟

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ تاریخ کس طرح اپنے آپ کو دہراتی ہے، مذہب کی بے رحم عدالت کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے اب مذہب عقل کی بے رحم عدالت کے آگے پیش ہے.....

عقل کی جانچ کا معاملہ محض ذہنی وعارضی تھا ورنہ جو مذہب عقل کے ہزاروں شیدائیوں کو نذر آتش کرچکا ہو وہ عقل کی بارگاہ سے کس قدر اور کب تک اپنے تحفظ وبقاء کی ضمانت حاصل کرسکتا تھا؟

اس میں شک نہیں کہ لاک۔ بارکلے اور ہیوم (پیدائش ۱۷۱۱ء وفات ۱۷۷۶ء) نے عقل کی جانچ کے لئے ایک حد تک راستہ ہموار کردیا تھا۔ نیز "روسو" نے جبلت وتاثر باطنی کی اہمیت واضح کرکے یہ ثابت کردیا تھا کہ زندگی کے نازک مرحلات اور کردار ویقین کے اہم مسائل میں عقل کوئی قطعی معیار نہیں بن سکتی ہے۔

کانٹ کا تنقیدی فلسفہ لیکن "کانٹ" وہ پہلا شخص ہے جس نے تنقیدی فلسفہ کے ذریعہ عقل کے حدود متعین کئے ہیں۔ تنقیدی فلسفہ سے یہ مراد ہے کہ انسان اشیاء کا علم حاصل کرنے کی کوشش سے پہلے خود اپنی قوت علم کو جانچتا پرکھتا اور اس کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ادعائی فلسفہ میں قوت علم کا جائزہ لئے بغیر اس سے کسی طے شدہ اصول کے مطابق کام لینا شروع کردیا جاتا ہے۔[۵۱]

اس طرح تنقیدی فلسفہ میں خود ملکۂ علم (علم کی مشنری) کا امتحان ہوتا ہے اور اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کون سے مسائل اس ملکہ سے قابل حل ہیں اور کون سے مسائل اس کی دسترس

---

۵۱ مقدمہ تنقید عقل محض ص۱۱

سے باہر ہیں۔ ؎۱

کانٹ عقل کے حدود متعین کرتا اور اس کو مصفّیٰ بناتا ہے	کانٹ تنقیدِ عقل محض ہیں خالص عقل پر جرح نہیں کرتا ہے، جیسا کہ کتاب کے نام سے مغالطہ ہوتا ہے بلکہ اس کے حدود کو بیان کرتا اور اس کو ایسے غیر

مصفّیٰ علم سے بلند و برتر دکھانا چاہتا ہے جو اس کے خیال کے مطابق "حواس" کے مسخ کن راستہ سے آتا ہے۔ کیونکہ خالص عقل کے معنی اس علم کے ہیں جو ذہن کی داخلی فطرت اور ساخت کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم اس کے نزدیک نہ صرف یہ کہ حواس کے ذریعہ سے نہیں آتا ہے بلکہ ہر قسم کے حسی تجربے سے بھی علیحدہ ہوتا ہے۔

چنانچہ درج ذیل توضیحات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

تجربہ ہی ایسا میدان نہیں ہے جس تک ہمارا فہم محدود ہو۔ تجربہ ہم کو یہ ضرور بتاتا ہے کہ کیا ہے؟ مگر یہ نہیں بتاتا کہ لازمی طور پر جو کچھ ہے وہی ہونا چاہیئے اور اس کے علاوہ نہ ہونا چاہیئے۔ لہذا تجربہ سے ہم کو کبھی درحقیقت عام صداقتوں کا علم نہیں ہوتا اور ہماری عقل جو خصوصیت کے ساتھ عام صداقتوں کے علم سے دلچسپی رکھتی ہے اس سے مطمئن نہیں بلکہ برانگیختہ ہوتی ہے۔

عام حقائق جو داخلی لزوم کی خصوصیت بھی رکھتے ہوں تجربے سے آزاد ہونے چاہئیں یعنی ہمارا بعد کا تجربہ کچھ بھی ہو ان کو صحیح ہونا چاہیئے اور تجربے سے پہلے بھی صحیح ہونا چاہیئے .... ریاضیاتی علم اٹل اور یقینی ہوتا ہے ہم آئندہ تجربہ کو اس کی خلاف ورزی کرتا ہوا تصور نہیں کر سکتے ہیں۔ ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ کل سورج مغرب سے نکلے گا لیکن اگر جان بھی چلی جائے تو یہ یقین نہیں کر سکتے کہ دو اور دو مل کر چار کے علاوہ بھی ہو سکتے ہیں ...... یہ مطلق اور اٹل حقائق ہیں۔ یہ بات تصور میں نہیں آ سکتی کہ یہ کبھی غلط ہو جائیں گے۔ لیکن اطلاق و لزوم کی یہ خصوصیت کہاں سے حاصل ہوتی ہے تجربے

؎۱ تاریخ فلسفہ جدید دوم صـ۵۳

سے تو حاصل نہیں ہوتی کیونکہ تجربہ سے علیحدہ علیحدہ حسوں اور واقعات کے سوا تو کچھ حاصل نہیں ہوتا یہ حقائق اپنی مطلق اور لازمی خصوصیت کو ہمارے ذہنوں کی ساخت سے حاصل کرتے ہیں یعنی اس فطری اٹل طریق سے جس کے مطابق ہمارے ذہنوں کے لئے عمل کرنا لازمی ہے۔ کیونکہ انسان کا ذہن منفعل اور بے جان موم نہیں ہے جس پر تجربہ اور حس اپنے مطلق اور بیہودہ احکام کو لکھ دیتے ہوں نہ یہ ذہنی حالتوں کے سلسلے یا مجموعے کا مجرد نام ہے یہ ایک فعلی عضو ہے جو حسوں اور تصوروں کو ڈھالتا اور مرتب کرتا ہے یہ ایک ایسا عضو ہے جو تجربے کی پریشان کثرت کو فکر کی مرتب وحدت کی صورت میں بدل دیتا ہے۔ [۵۱]

لاک اور ہیوم پر کانٹ کی تنقید

ایک موقع پر کانٹ انگلستان کے مشہور فلسفی جان لاک کے بارے میں کہتا ہے:۔ چونکہ ایسے تجربے میں عقل کے خالص تصورات نظر آئے اس لئے انہیں تجربہ سے ماخوذ سمجھا اور پھر یہ بے اصولی برتی کہ ان تصورات سے ان معلومات میں کام لیا جو تجربے کی حد سے کہیں آگے ہیں۔ [۵۲]

ڈیوڈ ہیوم DAVID HUME (پیدائش ۱۷۱۱ء وفات ۱۷۷۶ء) کے بارے میں کہتا ہے۔

وہ اس بات کو سمجھ گیا کہ ان تصورات کو تجربے کے دائرہ سے باہر استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی اصل بدیہی ہو مگر وہ اس کی توجیہہ نہ کر سکا کہ عقل خود کیوں ان تصورات کو جو بجائے خود عقل کے اندر مربوط نہیں ہیں معروض (وہ ہے جس کے تصور میں ایک دیئے ہوئے مشاہدے کی کثرت ادراکات متحد ہو[۵۳]) میں وجوباً مربوط سمجھے اور اسے یہ نکتہ نہیں سوجھا کہ شاید خود عقل ہی ان تصورات کے ذریعے سے اس تجربے کی بانی ہے جس میں معروضات ہم پر ظاہر ہوتے ہیں اس لئے مجبوراً اس نے ان تصورات کو تجربے سے ماخوذ مانا۔ [۵۴]

---

۵۱ ترجمہ حکایت فلسفہ ص ۳۳۹ از ول ڈوران پی ایچ ڈی۔ ۵۲ تنقید عقل محض ص ۱۵۵
۵۳ تنقید عقل محض ص ۱۶۳ ۵۴ حوالہ بالا ص ۱۵۵

پھر آگے کہتا ہے :-

"لیکن عقلی تصورات کا یہ تجربی استقرار جس کے چکر میں لاک اور ہیوم دونوں پڑ گئے خالص علمی معلومات کی حقیقت سے جو ہمارے پاس موجود ہیں یعنی خالص ریاضی اور عام طبعیات سے مطابقت نہیں رکھتا اس کے واقعات خود اس کی تردید کرتے ہیں لے"

یہاں نہ تنقیدی فلسفہ پر بحث مقصود ہے اور نہ ہی مختلف موضوع پر کانٹ کے افکار و نظریات پر تبصرہ مقصود ہے۔ ذیل میں موقع کی مناسبت سے اس کے فلسفہ مذہب و اخلاق کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

کانٹی اخلاقیات کے تین دور | کانٹ کے اخلاقی مباحث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تین دور گذرے ہیں اور ہر دور کے خیالات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

پہلے دور میں "روسو" کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ اس وقت اس کا نظریہ اخلاق یہ تھا کہ ہر قسم کا اخلاقی حکم ایک قسم کے تاثر سے سرزد ہوتا ہے اور ایک بلا واسطہ تاثر اس کا ماخذ ہوتا ہے لیکن اس دور میں بھی روسو کی طرح کانٹ بلا واسطہ وجدان کو کبھی تمام اخلاقیات کے لئے کافی نہیں قرار دیتا ہے۔

چنانچہ وہ ایک جگہ کہتا ہے :-

نیکی کی بنیاد کچھ اصولوں پر قائم ہوتی ہے جو اپنی وسعت اور تعمیم کی نسبت سے عظیم و شریف ہوتے ہیں۔ یہ اصول تعقلی قواعد کے مرادف نہیں ہوتے بلکہ ایک "تاثر" پر مبنی ہوتے ہیں جو ہر انسانی سینے میں پایا جاتا ہے۔ وہ انسانی فطرت کے حسن و وقار کا تاثر ہے ٹے۔

دوسرے دور میں اس امید کی بنا پر کہ عقلی علم تجربہ سے آزاد ہو کر بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے نظریہ اخلاق میں یہ کوشش نظر آتی ہے کہ اخلاق کے لئے ایک ایسی عقلی اساس دریافت کی جائے جو تجربہ کی محتاج نہ ہو۔ چنانچہ اس دور میں یہ نظریہ تھا کہ اخلاقی تصورات تجربے سے نہیں بلکہ خالص عقل سے حاصل ہوئے ہیں۔ ایک جگہ کہتا ہے۔

"اخلاق ایک عام قانون کی پابندی میں آزادی کا نام ہے اور اس کا اظہار اس طرح

لے حوالہ بالا صفحہ ۱۵۷ ٹے تاریخ فلسفہ جدید جلد دوم صفحہ ۷۹

ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی فطرت کے ساتھ موافقت معلوم ہوتی ہے، مسرت پیدا ہوتی ہے اگرچہ براہ راست مسرت اس کا مقصد نہیں ہوتا ہے۔ اخلاق و مسرت دونوں کا انحصار نہ خارجی حالات پر ہے اور نہ انفعالی تاثرات پر اور نہ ارباب اقتدار کے احکام پر۔[۱]

تیسرے دور میں مختلف مؤثرات کی بنا پر اس کے اخلاقیات کی مخصوص صورت پیدا ہوئی جس میں وہ اخلاقی قانون کو بھی قوانین فطرت کے مماثل تصور کرتا ہے اور معمولی و واقعی اخلاقی شعور کی تحلیل کرکے اخلاق کے اصول قائم کرتا ہے۔

اخلاقی شعور کی تحلیل کانٹ کو ہر قسم کے اخلاقی شعور کی تحلیل سے دو پہلو دریافت ہوتے ہیں (۱) قانون کی باطنیت و عظمت اور (۲) انسان کی حقیقی فطرت سے اس کی موافقت۔

ایک موقع پر کہتا ہے۔

معمولی اخلاقی شعور میں انسان یہ جانتا ہے کہ کسی عمل کی اخلاقی قیمت اس کے خارجی اثرات پر منحصر نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا مدار نیت پر ہوتا ہے۔ اصل نیکی نیک ارادے میں ہے خیر کا وجود خارج میں نہیں ہے بلکہ عمل کرنے والے کی شخصیت میں ہے اس لئے صرف اس عمل کو نیک کہہ سکتے ہیں جو احساس فرض سے سرزد ہو۔[۲]

اس کے نزدیک قانون اخلاق اپنی باطنیت اور عظمت کی وجہ سے تمام تجربے سے ماورائی ہوتے ہیں۔ نیز اخلاق کی بنیاد نہ دینیات پر قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی نفسیات پر۔ اس کے باوجود اعلیٰ ترین تہذیب میں وہ تزکیۂ نفس (اخلاق) کو داخل کرتا ہے اور جو خوبی اخلاق طبیعت سے سرزد نہ ہو اس کو محض نمائش اور آراستہ گندگی قرار دیتا ہے۔

کانٹی اخلاقیات کا دلچسپ پہلو کانٹی اخلاقیات کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کی اخلاقیات خود اختیاری ہے۔ انسان کی فطرت اور عمل کے جوہر کے باہر کسی مقدمات کی محتاج نہیں ہے۔ اس طرح طبعیات، مابعد الطبعیات، نفسیات اور دینیات سب سے وہ آزاد ہے۔

۱۔ تاریخ فلسفۂ جدید ص۸۱ ۲۔ حوالہ بالا ص۸۹

ظاہر ہے کہ اس آزادی کی وجہ سے اخلاق سے مذہب کی طرف عبور کرنے کا راستہ کس قدر پر پیچ اور دشوار گذار بن گیا ہے۔ پھر بھی "کانٹ" ہمیشہ اس بات کا قائل رہا کہ صرف اخلاق ہی مذہب کی بنیاد قرار پاسکتا ہے۔

کانٹ کا فلسفۂ مذہب تاریخی و نفسیاتی لحاظ سے تشنہ ہے | کانٹ کے فلسفۂ مذہب میں بنیادی بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف تاریخی لحاظ سے تشنہ ہے بلکہ نفسیاتی لحاظ سے بھی تشنہ ہے۔ تاریخی پہلو کو وہ مذہبی عالموں کے حوالہ کر دیتا ہے اور نفسیاتی پہلو پر غالباً اس کی نظر نہ تھی اس لئے اس کو ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

در اصل اس کے سامنے مذہب کا کوئی واضح تصور ہی نہیں ہے۔ وہ صرف عیسائی مذہب کو دیکھتا ہے اور گناہ و کفارہ جیسے موضوع کو زیر بحث بناتا ہے۔ پھر اخلاقیات کو دینیات سے آزاد کرنے کے بعد عیسویت کے پاس کیا رہ جاتا ہے کہ جس پر کوئی مفید بحث ہو سکے۔

مذہب کے بارے میں کانٹ کا نظریہ | مذہب کے بارے میں اس کے خیالات درج ذیل ہیں۔

مذہب و ایمان کو عقل کی دسترس اور اس کی قلمرو سے دور رکھنا چاہیئے۔ مگر اسی لحاظ سے مذہب کی اخلاقی بنیاد مطلق ہونی چاہیئے۔ جو قابلِ اعتراض حسی تجربہ وغیرہ سے ماخوذ نہ ہونی چاہیئے اس کو عقل خطا کار کے میل سے گندہ نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اندرونی ذات کے بلاواسطہ ادراک اور وجدان سے اخذ کرنا چاہیئے ..... ہمیں یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ خالص عقل عملی بھی ہو سکتی یعنی بطور خود کسی تجربی شے کی مدد کے بغیر ارادے کو متعین کر سکتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اخلاقی حس خلقی ہے اور تجربہ سے ماخوذ نہیں ہے۔ امر اخلاقی جس کی ہمیں مذہب کے بنیاد کے طور پر ضرورت ہے مطلق امر ہونا چاہیئے۔ [1]

کانٹی مذہب کی بنیاد اور اخلاقی معیار | چونکہ کانٹ کے نزدیک مذہب کی بنیاد عقل نظری کی منطق پر نہیں بلکہ حاسۂ اخلاقی کی عقل عملی پر ہونی چاہیئے اس لئے ہر مقدس کتاب اور وحی کو وہ اخلاقی

---

[1] حکایت فلسفہ ص ۳۲۵

قدر و قیمت کے معیار سے دیکھتا ہے۔ ضابطۂ اخلاق کے لئے حکم اور معیار نہیں قرار دیتا ہے۔ نیز کلیسا اور اعتقادات نسل کی اخلاقی ترقی میں مدد کرنے ہی کی وجہ سے قدر و قیمت رکھتے ہیں۔

چنانچہ وہ کہتا ہے کہ۔

مسیح علیہ السلام اخلاقی قانون کی پابندی کرنے کی راہ سے اتحاد پیدا کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے اور اسی کے لئے انھوں نے اپنی جان دی۔ مسیح خدا کی حکومت کو زمین کے قریب تر لائے تھے مگر ان کا مطلب غلط سمجھا گیا اور خدا کی حکومت کے بجائے پادریوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ پھر لوگ بجائے اس کے کہ مذہب سے متحد و مربوط ہوتے وہ ہزاروں فرقوں میں بٹ گئے ...... آخر میں خرابی کی انتہا اُس وقت ہوجاتی ہے جب کلیسا ایک انقلابی حکومت کا آلۂ کار بن جاتا ہے اور جب اہل مذہب (جن کا کام یہ ہے کہ ایک پریشان اور مصیبت زدہ عالم کو ایمان اُمید اور محبت سے تشفی دیں اور رہبری کریں) سیاسی ظلم اور دینیاتی کج بحثی و گمراہی کا آلہ بن جاتے ہیں۔[۱]

کانٹ کا خدا عقل محض کا نصب العین ہے

کانٹ خدا کو "عقل محض" کا نصب العین قرار دیتا ہے لیکن ان تمام دلیلوں کی تردید کرتا ہے جن کو فلسفیوں نے خدا کے وجود میں پیش کیا ہے۔[۲]

وہ کہتا ہے کہ "جس شخص کے اندر اخلاقی قانون جاری و ساری ہے وہ بلا کسی دلیل ایک خدا پر ایمان لانے کے لئے مجبور ہے۔[۳]

ندوۃ المصنفین دہلی کی مطبوعات

کراچی میں

اقبال بک ڈپو بیر بڈے اسٹریٹ ٹرام جنکشن،

کراچی سے مل سکتی ہیں

---

۱ حوالہ بالا ص ۳۵۶ ۲ مقدمہ تنقید عقل محض ص ۷ ۳ تاریخ فلسفہ جدید جلد دوم ص ۱۰۳